مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کے

تفسیری اصولوں کا جائزہ

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف (مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان)

تفسیر ''تدبر قرآن'' کو فراہی گروہ ایک عظیم علمی شاہکار اور ایک ایسی نادر تفسیر باور کراتا ہے جس کی کوئی دوسری نظیر تفسیری ذخیرے میں بہ زعم خویش نہیں ہے۔ علاوہ ازیں خود اس کے مؤلف مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی اس کی بابت نہایت بلند بانگ دعوے کئے ہیں اور اسے اپنی چالیس سالہ محنت وکاوش کا نتیجہ قرار دیا ہے، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''یہ کتاب میری چالیس سال کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی جوانی کا بہترین زمانہ اس کتاب کی تیاریوں میں بسر کیا ہے اور اب اپنے بڑھاپے کی ناتوانیوں کا دور اسی کی تحریر وتسوید میں بسر کر رہا ہوں۔ اس طویل مدت میں مَیں نے زندگی کے بہت سے اُتار چڑھاؤ دیکھے ہیں اور بہت سے تلخ وشیریں گھونٹ حلق سے اُتارے ہیں لیکن رب کا شکر گزار ہوں کہ کسی دور اور کسی حال میں بھی میرا ذہنی وقلبی تعلق اس کتاب سے منقطع نہیں ہوا۔ میں نے اس ساری مدت میں جو کچھ پڑھا ہے اسی کو محور بنا کر پڑھا ہے جو کچھ سوچا ہے اسی کو سامنے رکھ کر سوچا ہے اور جو کچھ لکھا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے متعلق لکھا ہے۔ میں نے قرآن حکیم کی ایک ایک سورت پر ڈیرے ڈالے ہیں، ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کیلئے ہر اُس پتھر کو اُلٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے مجھے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے۔'' [تفسیر تدبر قرآن ص:۵۰]

واقعہ یہ ہے کہ اس طرح کی ادعائی باتوں سے اپنی اس ''تفسیر'' کی اہمیت کو واضح کرنا جو جمہور اُمت یا احادیث کے خلاف ہو، ہر اُس ''مفسر'' کا شیوہ ہے جس نے قرآن کی من مانی تاویلوں میں دماغ سوزی کی ہو، اور ایسی ''تفسیروں'' میں اتنا وقت بھی صرف ہوتا ہے، ورنہ احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کی روشنی میں، جو کہ تفسیر کا صحیح طریقہ بھی ہے نہ اتنا طویل عرصہ درکار ہوتا ہے اور نہ اتنی دماغ سوزی اور کوہ کنی کی ضرورت۔

دیکھئے غلام احمد پرویز بھی اپنی قرآنی فکر کے بارے میں اس کا طول وعرض بیان کرتے ہیں: ''مہ وسال

کے شمار سے میں ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو اپنی عمر رواں کے پچھتر (۷۵) سال پورے کر رہا ہوں۔ یہ کوئی ایسا اہم واقعہ نہیں تھا جس کا خصوصیت کے ساتھ طلوع اسلام کے صفحات پر ذکر کیا جاتا۔ قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ میں اپنی موجودہ قرآنی فکر اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں پچاس سال پورے کر رہا ہوں، عام اصطلاح میں اسے گولڈن جوبلی کہہ کر پکارا جاتا ہے۔'' [طلوعِ اسلام: جولائی ۱۹۷۸ء ص:۶]

کیا قرآنی فکر کی یہ پچاس سالہ ''خدمات'' کوئی اہمیت رکھتی ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں! کیوں کہ اس ''قرآنی فکر'' سے وہ لوگ صاحبِ قرآن کی اصل تفسیر و توضیح (حدیث) سے دور بلکہ محروم ہو گئے جو اُن کے اس دام تزویر میں پھنس گئے۔ اس کے مقابلے میں وہ چند سالہ خدمتِ قرآنی اصل خدمت ہے جس کے مفسر نے لوگوں کو صاحبِ قرآن سے اور اس کی احادیث (توضیح قرآنی) سے روشناس کرا کر اسلام کا صحیح نقشہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ قرآن کے نام پر اپنے خود ساختہ نظریات کا اثبات کیا نہ ان کا پرچار کیا۔

ایسے ہی ایک اور ''مفکر قرآن'' کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر شکیل الدین اوج ہیں جو پچھلے سال (۲۰۱۴ء میں) کس کی گولی کا نشانہ بن کر اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ ان کی بابت ان کے ایک دوست اور ساتھی (طاہر مسعود صاحب) لکھتے ہیں: ''ان کی شخصیت میں یہ عجیب سی بات تھی عجیب سا تضاد، علمی گفتگو میں وہ اپنے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرتے تھے، مثلاً یہ کہ قرآن حکیم کی فلاں آیت کا جو مفہوم و معنی جس طرح میں نے سمجھا ہے کسی مفسر نے نہیں سمجھا۔ یہ بات وہ بہت تواتر سے کہتے تھے اور ان کی یہی بات مجھے بہت کھٹکتی تھی۔ میں سمجھتا تھا کہ انہیں اپنے علم و فضل اور قرآن فہمی پر کچھ زیادہ ہی ناز ہے۔ کبھی کبھی ان کے دعوے میں مجھے انانیت بھی نظر آتی تھی اور یہ خیال آتا کہ عجز و انکسار کے بغیر قرآن کو سمجھنے کی کوشش نے شاید ڈاکٹر اوج کو گمراہی اور ادعائیت کے راستے پر ڈال دیا ہے، چنانچہ میں ان سے مذہبی و دینی اُمور پر بحث و مباحثہ تو دور کی بات ہے، تبادلہ خیالات سے بھی گریز کرتا تھا۔'' [جنگ سنڈے میگزین: اکتوبر ۲۰۱۵ء، ص:۱۴، ۱۸]

اوج صاحب کی قرآن فہمی کے چند نمونے، جو ان کی کتابوں میں درج ہیں، ملاحظہ ہوں:

۱۔ وزنِ اعمال سے مراد اللہ کا عدل اور اس کی قضا ہے۔ [تعبیرات، ص:۵۲]

۲۔ قتل عمد میں دیت قرآن کے خلاف ہے، اس میں قصاص (قتل) ہی ہے۔ [ایضاً، ص:۲۳۷]

۳۔ باندیوں سے نکاح کے بغیر جنسی تمتع خلافِ قرآن ہے۔ [ایضاً، ص:۲۳۳]

۴۔کم سنی کی شادی خلاف قرآن ہے۔[نسائیات،ص:۳۷]

۵۔مسلمان عورت کا نکاح اہل کتاب مرد سے جائز ہے۔[نسائیات،ص:۱۰۰]

۶۔قرآن کی پیروی ہی سنّت رسول ﷺ اور اطاعت رسول ہے۔[تعبیرات،ص:۵۹] وغیرہ وغیرہ۔

تعلّی اور دوسرے مفسرین کی تنقیص

بلند بانگ دعوؤں کے ساتھ اپنے بارے میں تعلّی اور دوسرے مفسرین اُمت کی تنقیص بھی ایسے مفسرین کا عام شیوہ ہے جو جمہور اُمت سے الگ اور احادیث سے اعراض وگریز پر اپنے فہم قرآن کی بنیاد رکھتے ہیں۔اس لیے کہ کھرے سکوں کی موجودگی میں کھوٹے سکے کی طرف لوگوں کو اس وقت تک متوجہ نہیں کیا جاسکتا جب تک اصلی سکے کی بے وقعتی اور اس کے حاملین کی بے توقیری نہ کی جائے۔گویا جعلی،خود ساختہ اور بناوٹی سکوں کو مارکیٹ میں چلانے کیلئے ضروری ہے کہ اصلی سکوں کو جعلی باور کرایا جائے۔پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے بھی یہ تکنیک اختیار کی ہے اور اصلاحی صاحب بھی اس معاملے میں ان سے پیچھے نہیں رہے ہیں کیونکہ یہ ہر اُس ''مفسر قرآن'' کی ضرورت ہے جس نے چودہ سو سالہ مسلمات اسلامیہ کو جھٹلانا اور ان کو قرآن کے خلاف باور کرانا ہے۔بہرحال صحیح تفسیری روایات پر گفتگو کرنے سے پہلے اصلاحی صاحب کی ایسی تعلّیاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔چند مقامات ''مشتے نمونہ از خروارے'' ملاحظہ ہوں:

﴿و یذرک و آلھتک﴾ کی تاویل میں ہمارے علماء ومفسرین کو بڑا اضطراب پیش آیا ہے۔'' [تدبر قرآن، سورۂ اعراف، آیت:۱۲۷] ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔'' [تدبر قرآن:۳/۱۰۲، سورۂ انفال، آیت:۶۷،۶۸] ''بعض مفسرین نے معلوم نہیں کہاں سے یہ فضول سی بات لکھ دی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰ ترنگ میں آکر یہ کہہ بیٹھے.....الخ۔'' [تدبر قرآن:۴/۵۶، سورۂ کہف:۶۰،۶۱] اصلاحی صاحب نے جس کو ''فضول سی بات'' کہا ہے وہ متفق علیہ حدیث ہے۔اس کی تفصیل آئندہ ان شاء اللہ آئے گی۔اپنے زعم ہمہ دانی اور مفسرین کو ہدفِ طعن بنانے کے شوق یا ترنگ میں انہوں نے یہ کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی زبان استعمال کی ہے اور سنیے! ''حضرت یونس کے واقعے کی روایت میں چونکہ مفسرین نے بڑا گھپلا کر دیا ہے.....الخ۔'' [تدبر قرآن:۴/۳۲۰، سورۃ الانبیاء، آیت:۸۷] ایک بے سروپا روایت کی بنیاد پر مفسرین کو بے نقط سنانا، حالانکہ محقق مفسرین نے بھی اس کے وضعی ہونے کی

صراحت ہے پھر بلاتفریق تمام مفسرین کو رگیدنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن شاید اپنی پاک دامنی کو واضح کرنے کے لیے مفسرین کی ''تر دامنی'' کا ذکر ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس پر یہی کہا جا سکتا ہے۔

اتنی نہ بڑھا پاکی داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مفسرین پر اس برہمی کیلئے مزید دیکھئے تفسیر تدبر قرآن: ۴/ ۴۰۵۔۴۰۸، سورۃ الحج، آیت: ۵۲۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''تعجب ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین اس کی تاویل میں معلوم نہیں کس طرح الجھن میں پڑ گئے۔'' [ایضاً: ۴/ ۶۰۷، سورۃ النحل، آیت: ۶۶] ''اس آیت کے ایجاز کے سبب سے اس کی تاویل میں ہمارے مفسرین کو بڑا اضطراب پیش آیا ہے۔'' [تدبر قرآن: ۴/ ۲۱۴، سورت طٰہٰ، آیت: ۸۷]

نظم قرآن کا مسئلہ اور احادیث سے بے اعتنائی

تفسیر ''تدبر قرآن'' کی سب سے بڑی خوبی اور خصوصیت نظم قرآن کے کھولنے کی بیان کی جاتی ہے اور اس کا اصل کریڈٹ مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۳ء۔۱۹۳۰) کو دیا جاتا ہے، اسی لیے اس فکر کو ''فکر فراہی'' سے موسوم کیا جاتا ہے جس کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان مولانا امین احسن اصلاحی قرار پائے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فراہی صاحب کو تو اپنی فکر قرآنی کے مطابق پورے قرآن کی تفسیر کرنے کا موقع نہیں ملا، صرف چند سورتوں کی تفسیر ہی (عربی میں) وہ لکھ سکے جن کا اردو ترجمہ ان کے سب سے اہم شاگرد اور سب سے زیادہ ان سے کسب فیض کرنے والے مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا ہے۔ ان سورتوں کا مجموعہ ''نظام القرآن'' کے نام سے چھپا ہے۔ تاہم استاد کی خواہش اور فکر کے مطابق اس کی سعادت اصلاحی صاحب کو حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے فکر فراہی کی روشنی میں اپنی تفسیر ''تدبر قرآن'' نو (۹) جلدوں میں مکمل کی ہے۔ اس اعتبار سے اس کے مؤلف کو بھی اور پورے فراہی گروہ کو بھی اس تفسیر پر بڑا ناز ہے اور اسے تمام تفسیری ذخیروں میں ایک عظیم شاہکار باور کرایا جاتا ہے۔

لیکن ہمارے خیال میں قرآنی تفسیر کا اصل سرمایہ، حدیث رسول کو جس طرح اس تفسیر تدبر قرآن میں نظر انداز بلکہ بے توقیر کیا گیا ہے اس کی کوئی دوسری نظیر، سوائے غلام احمد پرویز وغیرہ کی تفسیر کے، پورے تفسیری ذخیرے میں نہیں ہے اور نظم قرآن کو زیادہ اہمیت دینا بلکہ اسی کو سب سے اہم سمجھنا، اس کا لازمی تقاضہ ہے کہ احادیث کو نظر انداز کیا جائے یا ان کے خلاف قرآن باور کرایا جائے۔

بلاشبہ تمام مفسرین امت کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ ''العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص

السبب'' کہ آیت کے نزول کا اگر چہ کوئی خاص سبب یا واقعہ ہو، جیسا کہ متعدد آیات کے شان نزول سے واضح ہے لیکن آیت اس واقعے یا سبب تک محدود نہیں رہے گی، بلکہ آیت اپنے الفاظ اور حکم کے اعتبار سے عام ہوگی۔ تاہم مفسرین نے یا کسی اور نے بھی اس کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا کہ شان نزول کی روایات ہی سرے سے غیر ضروری ہیں! غیر صحیح روایات کو ہدف تنقید ضرور بنایا گیا ہے جیسا کہ محدثین اور محقق مفسرین کا منہج ہے لیکن شان نزول کی صحیح روایات کو قرار واقعی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ بعض دفعہ آیات کا پس منظر (شانِ نزول) سامنے نہ ہو تو ان آیات کا صحیح مفہوم بھی واضح نہیں ہوتا۔

مفسرین امت نے اسی نظم قرآن کو اتنی زیادہ اہمیت نہیں دی جتنی فراہی گروہ نے دی ہے کیونکہ اس سے اسباب نزول پس منظر میں چلے جاتے ہیں اور اسباب نزول کے پس منظر میں چلے جانے کا مطلب قرآنی مقاصد و مطالب کا پس منظر میں چلا جانا ہے جو کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے۔ لیکن فراہی گروہ اور اس کے سرخیل مولانا اصلاحی صاحب نے قرآنی مقاصد کا پردہ خفا میں رہنے کو تو پسند کر لیا لیکن تصنع اور تکلف پر مبنی نظم قرآن کی کوہ کنی کر کے جوئے شیر لانے کو اہم الفرائض سمجھ لیا اور اس میں اس حد تک غلو کیا کہ اصلاحی صاحب نے فتویٰ صادر کر دیا۔

''جو شخص قرآن میں نظم کا قائل نہیں وہ واجب القتل ہے۔'' [رسالہ تدبیر: اصلاحی نمبر، ص:۷۸]

اس فتوے کی رو سے تو تمام مفسرین امت واجب القتل قرار پاتے ہیں کیونکہ ان میں سے چند حضرات کے سوا کسی نے بھی نظم کو وہ اہمیت نہیں دی جس کا ڈھنڈورا آج پیٹا جا رہا ہے اور جن چند حضرات نے اسے کچھ اہمیت دی ہے وہ بھی تعداد میں صرف تین ہیں اور انہوں نے نظم قرآن پر جس طرح کا کام کیا ہے اس کی وضاحت اصلاحی صاحب ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:

''جن لوگوں نے قرآن میں نظم کا دعویٰ کیا، ان کی خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں پیش کر سکے جو اس راہ میں قسمت آزمائی کرنے والوں کا حوصلہ بڑھاتی۔ اوپر جن بزرگ مصنفوں کے اقوال و ارشادات نقل ہوئے ہیں ان میں سے تین بزرگوں کی کتابوں سے استفادے کا موقع مجھے نصیب ہوا ہے، میں بلا کسی ارادہ تحقیر کے عرض کرتا ہوں کہ ان میں سے کسی کی کتاب سے بھی مجھے کسی مشکل کے حل کرنے میں کوئی مدد نہیں ملی۔ مہائمی اور رازی کی تفسیریں عرصے تک میرے مطالعے میں

رہی ہیں بلکہ رازی کی تفسیر تو اب بھی پیش نظر رہتی ہے، یہ حضرات جس قسم کا نظم بیان کرتے ہیں اس کے متعلق یہ کہنا شاید بے جانہ ہو کہ اس قسم کا نظم ہر دو غیر متعلق چیزوں میں جوڑا جا سکتا ہے۔

اصل ضرورت اس چیز کی تھی کہ لوگوں کے سامنے کوئی ایسی چیز آتی ہو جو قرآن کے نظم کو اس طرح واضح کر دیتی کہ ہر صاف ذہن قاری کو وہ اپنے دل کی آواز معلوم ہونے لگی۔ لیکن اس طرح کی کوئی چیز نہ صرف یہ کہ لوگوں کے سامنے آئی نہیں بلکہ جو چیزیں آئیں وہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، مایوس کن ثابت ہوئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے نظم کی تلاش کو ''کوہ کندن کاہ برآوردن'' کا مصداق سمجھ لیا۔'' [مقدمہ ''تدبر قرآن'، ص:ذ]

ہم عرض کریں کہ مذکورہ نتیجے کے بعد ایسا سمجھنا بے جا تو نہیں تھا، حقیقت پر مبنی تھا۔ جب چودہ سو سالہ تفسیری ذخیرے میں کوئی ایک مفسر بھی نظم قرآن کا صحیح نمونہ (بہ قول اصلاحی صاحب) پیش نہیں کر سکا تو اس اعتراف سے تو یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ نظم قرآن کا مسئلہ اتنا اہم قطعاً نہیں ہے۔ اسی طرح فہم قرآن کا انحصار بھی اس پر نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو کوئی مفسر تو اس میں کامیاب ہو جاتا اور اب جو فراہی گروہ اس میں کامیابی کا دعویٰ کر رہا ہے بالخصوص تفسیر ''تدبر قرآن'' کو اس کی اولین کامیاب کوشش قرار دیا جا رہا ہے، اس کی بابت خود اصلاحی صاحب کے ایک سوانح نگار کا تاثر ملاحظہ فرمائیں۔ ڈاکٹر اختر حسین عزمی اپنی ضخیم تالیف ''مولانا امین احسن اصلاحی، حیات وافکار'' میں لکھتے ہیں:

''نظم کشائی کا تکلف، تدبر قرآن کی نمایاں خوبی اصول نظم کی پاس داری ہے لیکن بعض آیات وسور کی نظم کشائی میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کیلئے تکلف اور کھینچ تان سے کام لیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر عام فہم نظم سے ہٹ کر نرالی اُپج نظر آتی ہے، مثلاً...... الخ۔'' اس کے بعد انہوں نے اپنے مؤقف کے اثبات میں کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی انہوں نے ''مولانا اصلاحی کے تصور نظم کے چند محل نظر پہلو'' عنوان قائم کر کے ان کے بیان کردہ نظم کے، کئی پہلوؤں کو ہدف تنقید بنایا، بلکہ ان میں سے بعض کو شانِ نزول کی صحیح روایات کے خلاف قرار دیا ہے۔ [ملاحظہ ہو کتاب مذکورہ ص:۲۵۴۔۲۵۷]

یہ ڈاکٹر عزمی صاحب ان کے کسی مخالف یا ناقد کی نہیں ہے بلکہ ان کے مداح کی ہے جس نے ان کی حیات وخدمات پر چھ سو چونسٹھ (۶۶۴) صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب تحریر کی ہے۔ نیز وہ مسئلہ نظم قرآن میں اصلاحی صاحب کے ہم نوا ہیں، ان کے مخالف نہیں، چنانچہ انہوں نے پوری ایک فصل بھی ''ناقدین نظم کے خیالات کا تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے لکھی ہے جس میں انہوں نے نظریہ نظم قرآن کی پرزور وکالت کی ہے اور ناقدین کے دلائل کا جائزہ لیا ہے۔

(جاری ہے)